آفرین لاہوری کے فکر و فن پر صائب تبریزی کے اثرات

گوہر اقبال
لیکچرار فارسی
گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، کوٹ رادھا کشن، قصور

INFLUENCES OF SAIB TABREZI ON ART AND THOUGHT OF AFREEN LAHORI

Gohar Iqbal
Lecturer in Persian
Govt. Associate College, Kot Radha Kishan, Kasur

Abstract

Mirza Saib Tabrezi is one of the prominent Iranian poets who travelled to the Sub-continent in Tamerlane period. He is among the representatives of Sabk e Hindi. Not only his contemporaries but also his successors benefitted from his work and style. The hermit poet of the Sub-continent Afreen Lahori was very close to Saib. He adopted symbolic style for his verse composition like his predecessor Saib. Strikingly, Afreen opted the Sufic topics which Saib had already penned. Similarity of art and thought in both of Saib and Afreen can be pointed out in their works.

Keywords:

مرزا صائب، آفرین لاہوری، آفرین، ہندی، تبریز، لاہور، ترکی، ایران، برصغیر پاک و ہند، کلیات صائب

صائب تبریزی

میرزا صائب تبریزی سبکِ ہندی کے عظیم شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا نام میرزا محمد علی(۱) جب کہ تخلص صائب ہے۔ وہ ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء میں ایران کے مشہور شہر تبریز میں پیدا ہوئے۔(۲)ان کے والد میرزا عبدالرحیم تبریزی شاہ عباس اول صفوی (۹۸۵۔ ۱۰۳۸ھ/ ۱۵۷۷۔۱۶۲۸ء) کے حکم پر اصفہان چلے گئے اور وہاں محلہ عباس آباد میں سکونت اختیار کی۔ اُن کا شمار اصفہان کے تاجروں میں ہوتا تھا۔(۳) صائب نے اصفہان ہی میں پرورش پائی اور وہاں کے مشہور اساتذہ سے نقلی و عقلی علوم حاصل کیے۔

اس دور میں برصغیر پاک وہند شعرا و ادبا کے لیے ایک خاص کشش رکھتا تھا۔ شاہانِ تیموری ہند ادب پرور تھے اور شعرا کو انعام واکرام سے خوب نوازتے تھے۔ صائب نے دیگر شعرا کی طرح ہندوستان کا سفر ہرات اور کابل کے راستے سے کیا۔ کابل میں ان کی ملاقات ظفر خان احسن (د۔۱۰۷۴ھ/۱۶۶۳ء) سے ہوئی اور صائب انھی کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ ظفر خان نے شاہ جہاں (۱۰۳۸۔۱۰۶۸ھ/۱۶۲۸۔۱۶۵۸ء) سے ملاقات کے لیے ہندوستان کا سفر کیا،اس سفر میں صائب ان کے ہم راہ تھے اور انھوں نے ایک قطعہ لکھا جو بادشاہ کی مادۂ تاریخ جلوس پر مشتمل تھا، اسے بادشاہ کے سامنے پڑھا۔ بادشاہ کی طرف سے لقب مستعد خان اور منصب ہزاری عطا ہوا اور بارہ ہزار روپے بہ طورِ انعام ملے۔(۴)

صائب ۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء میں اصفہان واپس ہوئے اور انھیں بلند پایہ شاعری کے سبب دربارِ صفوی میں اعلیٰ مقام ملا اور وہ ''ملک الشعرا'' کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ شاہانِ ہند وترکی، شاہ ایران شاہ عباس دوم صفوی (۱۰۵۲۔۱۰۷۷ھ) سے دیوانِ صائب کے اشعار طلب کرتے اور بادشاہ وہ دیوان بہ طور ہدیہ دوسرے بادشاہوں کو پیش کرتا۔(۵)

اُن کی وفات ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء میں اصفہان میں ہوئی اور اُن کا مدفن باغِ مصفا میں ہے۔(۶)

آفرین لاہوری

فقیر اللہ آفرین لاہوری (۱۰۷۰۔ ۱۱۵۴ھ/ ۱۶۵۹۔۱۷۴۱ء) بارہویں صدی ہجری کے برصغیر پاک وہند کے ان شعرا میں شمار ہوتے ہیں جو اپنے عہد کے نام ور شاعر تھے۔

وہ گوجر قوم کے جوئیہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے اسی شہر میں زندگی بسر کی۔ چوں کہ درویشانہ طرزِ زندگی تھا، اسی وجہ سے عوام الناس میں ''شاہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔(۷) علومِ متداولہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اُن کا میلانِ طبع شاعری کی طرف ہوا، اس کے علاوہ وہ علمِ رمل میں بھی مہارت رکھتے تھے۔(۸) صوبہ لاہور کے ناظم سیف الدولہ عبدالصمد اور ان کے بیٹے زکریا خان بہادر ان کے مصاحبوں میں سے تھے مگر آفرین نے اس دوستی سے کوئی مالی منفعت حاصل نہ کی اور گوشۂ عزلت اختیار کر لیا۔(۹) مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی (۱۲۰۷۔۱۲۷۳ء) کی **مثنوی معنوی** کے ماہر تھے اور اس کا درس دیا کرتے تھے۔ مسجد وزیر خان کے صحن میں مشاعرے ہوتے تھے اور ان کی حیثیت استاد اور صاحبِ صدر کی ہوتی تھی۔ چوراسی سال کی عمر میں ۱۱۵۴ھ/۱۷۴۱ء میں لاہور میں وفات پائی اور محلہ بخاری میں اپنے گھر میں دفن ہوئے۔(۱۰)

مرزا محمد علی صائب تبریزی دبستان سبکِ ہندی کے نمائندہ شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا کلام رنگینی فصاحت، گنجینۂ حکمت اور زورِ طبیعت کا معرکۂ جمال ہے۔ وہ یقیناً ان عظیم شعرا کی صف میں شامل ہیں جن کی شاعری تلمیذِ ربانی ہونے کا نتیجہ ہے، اور ایسا عارف شاعر جب کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے تو ادنیٰ و اعلیٰ اشیا اس کے حضور دست بستہ ہو کر یہی التجا کرتی ہیں کہ ادائے مطالب کے لیے ہماری خدمت قبول کیجیے تاکہ ہم اس نگارخانۂ معنی میں اذنِ باریابی پائیں۔ جب کائنات کی ساکن اور جامد اشیا کا یہ حال ہے کہ وہ شاعر کی جانب کھنچی چلی جاتی ہیں تو کسی موزوں طبع شخص کا ایسے الہام نوا شاعر سے اثرات قبول کرنا عجیب بات نہیں ہوگی۔

برصغیر پاک و ہند کے درویش مشرب شاعر آفرین لاہوری ذہنی رشتے کے اعتبار سے صائب تبریزی کے بے حد قریب ہیں۔ آفرین نے اپنے عظیم پیش رو صائب کی طرح موضوعات کے بیان کے لیے تمثیلی پیرایہ اختیار کیا ہے۔ اس معنوی صنعت کو ارسال المثل یا اسلوب معادلہ کہتے ہیں۔ صائب کے ہاں اس شعری صنعت کا غیر معمولی استادانہ استعمال ملتا ہے۔ صائب نے جن صوفیانہ علامات کا استعمال کیا، آفرین نے بھی حیرت انگیز حد تک انھی سے استفادہ کیا دونوں کے کلام میں موضوعات کی یکسانیت اور لفظی و معنوی تشابہ کے متعدد شواہد ملتے ہیں۔ ذیل میں انھی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ترا ملکِ سلیمان چشمِ مور است

اگر ملکِ قناعت دیدہ باشی(صائب،س،۶۹۲)(۱۱)

ترجمہ: اگر تم ملکِ قناعت دیکھ لوگے، تو تمھیں ملکِ سلیمان چیونٹی کی آنکھ برابر نظر آئے گا۔

بہ چشمِ مور دیدی آفرین ملکِ سلیمان را

یکی در دیدۂ اربابِ استغنا تماشا کن(آفرین،۴۵۷)(۱۲)

ترجمہ: آفرین، تم نے ملکِ سلیمان کو چیونٹی کی آنکھ کے برابر دیکھا، اربابِ استغنا کے نزدیک ان دونوں کی حیثیت ایک ہی ہے۔

یقیناً آفرین نے چشمِ مور اور ملکِ سلیمان کی ترکیب صائب ہی سے اخذ کی ہے:

ز سختی ہای دوران قانعان را نیست پروایی

ہما صبحِ امیدِ خود شمارد استخوان ہا را (صائب،س،۵۵)

ترجمہ: قناعت سرشت لوگ زمانے کی سختیوں کی پروا نہیں کیا کرتے، ہڈیاں، ہما کے لیے صبحِ امید ہی تو ہیں۔

جب کہ آفرین لاہوری لکھتے ہیں:

ز سختی شکوہ نبود ، نیک بختان را کہ می داند

سفیدی ہایِ بختِ خود، ہما ہر استخوانی را(آفرین،۴۴)

ترجمہ: سعادت مند لوگ سختیوں کا گلہ شکوہ نہیں کرتے، کیوں کہ ہما ہڈیوں کو اپنی خوش بختی سمجھتی ہے۔

پہلے مصرعے کی ابتدا دیکھیے ''ز سختی'' اور دوسرے مصرعے میں آفرین نے ''صبحِ امید خود'' کے متبادل ''سفیدی ہای بختِ خود'' کا استعمال کیا۔

صائب نے اپنی وسعتِ فکر اور قدرتِ بیان کی بہ دولت ان صوفیانہ علامات کے کئی کئی مطالب بیان کیے۔ آفرین بھی صائب کی پیروی میں ان رنگوں اور ذائقوں سے خوب حظ اندوز ہوتے ہیں۔ چناں چہ صائب ''ہما'' کے استعارے کو ایک اور جگہ اس طرح استعمال میں لاتا ہے:

معراجِ اعتبار بہ قدرِ فتادگی است

از سایہ است رتبۂ بالِ ہما بلند(صائب،س،۳۷۰)

ترجمہ: قدر و منزلت کی معراج بہ اعتبارِ پستی ہے، ہما کے بالوں کا مقام و مرتبہ سائے ہی کی وجہ سے بلند ہے۔

آفرین اسے یوں بیان کرتے ہیں:

ہما ز سایہ بہ اینِ مدعا ست نامہ نوشت

کہ می دہد شرفِ اوج، اعتبارِ تنزل(آفرین،۶۹۲)

ترجمہ: ہمانے اپنے سائے سے یہ مدعا رقم طراز کیا کہ ،انسان کو اعتبار پستی ہی شرفِ بلندی سے ہم کنار کرتا ہے۔

اہل معرفت کے ہاں خاموشی کی بہت فضیلت ہے۔ صوفی شعرا نے فضیلت خاموشی پر شعر کہے ہیں۔ رومی کا تو تخلص تک بھی خاموش یا خموش بتایا جاتا ہے۔

دونوں شاعر بامعنی خاموشی کے دل دادہ ہیں۔ ان کے کلام میں خاموشی کی گفت گو پر فضیلت کے کئی اشعار ملتے ہیں۔ روح خاموشی کی بہ دولت روشن ہوتی ہے اور روشن دل لوگوں کی گفت گو معرفت کے موتیوں سے لب ریز ہوتی ہے۔ جس طرح صائب خاموشی کو بحرِ گوہر خیز اور گفت گو کو خار وخس قرار دیتے ہیں ویسے ہی آفرین بھی خاموشی کو دریائے گوہر خیز جب کہ بات چیت کو خار وخس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ صائب کہتے ہیں:

خامشی دریا و گفت گو خس و خاشاکِ اوست

پاک کن از خار و خس، این بحرِ گوہر خیز را(صائب، س،۳۸)

ترجمہ: خاموشی سمندر ہے جب کہ بات چیت اس سمندر کی گھاس پھونس ہے، ہیرے جواہرات سے بھرے اس سمندر کو خس وخاشاک سے پاک کیجیے۔

آفرین اسے یوں بیان کرتے ہیں:

مصفا شد چو دل بی معرفت حرفی نمی جوشد

نباشد خار و خس دریایِ گوہر خیز عرفان را(آفرین، ۵۷)

ترجمہ: جب دل پاک ہو تو کوئی بات بھی بغیر معرفت کے جوش نہیں مارا کرتی، معرفت کے موتیوں سے بھرے اس سمندر میں خس وخاشاک نہیں ہوتے۔

خاموشی ہی کے موضوع پر دونوں شعرا کا ایک اور اندازِ بیان دیکھیے:

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۱، مسلسل شمارہ ۳۶۳، سال ۲۰۲۲ء

ز خاموشی شود کیفیتِ گفتار روز افزون

خمِ سر بستہ صائب بادہ را پر زور می سازد(صائب،س،۳۷۶)

ترجمہ: گفت و گو کی لذت خاموشی کی بہ دولت روز افزون ہو جاتی ہے، صائب، بند مٹکا شراب کو تلخ بنا دیتا ہے۔(شراب جتنی تلخ ہوا تنی ہی پختہ ہوتی ہے)

چنان کز شیشۂ سربستہ بوی بادہ می جوشد

درین محفل خموشی، اہلِ معنی را زبان باشد(آفرین، ۲۷۳)

ترجمہ: جیسے شراب کی بو شیشۂ سربستہ سے ابلتی ہے، ویسے ہی اہلِ معنی کے نزدیک اس محفل میں خاموشی زبان کا درجہ رکھتی ہے۔

دونوں کا پیرائیہ بیان ایک جیسا ہے۔

صائب نے ''خم سربستہ'' کی ترکیب استعمال کی جب کہ آفرین نے اسے معمولی سی لفظی تبدیلی کے ساتھ ''شیشۂ سربستہ'' کر دیا۔ ہمارے ان دونوں صافی دل شعرا نے اپنے کلام میں روشن دل لوگوں کا ذکر خیر کیا، اور انھیں خوب خراجِ محبت پیش کیا:

بہ یک قرار بود آب چون گہر گردد

بہارِ زندہ دلان را خزان نمی باشد(صائب،س،۳۶۶)

ترجمہ: پانی موتی بن کر ایک ہی حالت میں رہتا ہے، زندہ دل لوگوں کی بہار کو خزاں نہیں ہے۔

ز بی خزان گلِ خورشید می توان دانست

کہ برگ ریز ندارد، بہارِ زندہ دلان(آفرین،۴۷۵)

ترجمہ: زندہ دل لوگوں کی بہار کو خزاں نہیں، اس بات کو سمجھا جا سکتا ہے کہ گلِ خورشید کو خزاں کا خوف نہیں ہوتا۔

موضوعاتی وحدت کے ساتھ ساتھ لفظی یگانگت کا بھی وفور نظر آتا ہے۔ اسی طرح صائب کا ایک اور شعر ملاحظہ کیجیے:

من بہ دوزخ می روم، زاہد اگر در جنت است

دوزخِ اربابِ معنی، صحبتِ بی نسبت است(صائب،ق،۴۸۷)(۱۳)

ترجمہ: اگر زاہد جنت میں جائے گا تو میں دوزخ چلا جاؤں گا، اربابِ معنی کے نزدیک ناجنس کی صحبت ہی دوزخ ہے۔

آفرین لاہوری لکھتے ہیں:

نوشِ کوثر زہر می سازد مخالف در بہشت

بدتر از دوزخ بود، ہم بزمِ بی نسبت مرا(آفرین،۷۴)

ترجمہ: ناجنس کی صحبت دوزخ سے بھی بدتر ہے، کیوں کہ مخالف کا بہشت میں ہونا تو آبِ کوثر کو بھی زہر بنا دیتا ہے۔

صحبتِ بی نسبت اور بزمِ بی نسبت قابلِ غور ہیں۔

آفرین جس مہارت سے صائب شیریں زبان کے فکری مباحث کو اپنے دائرہ فکر میں لاتے ہیں وہ نہ صرف ان کی میراث کہن سے دل بستگی کا ثبوت ہے بل کہ ان کی اعلیٰ شعری صلاحیتوں کا بھی ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ایک جگہ صائب کہتے ہیں:

نالۂ مظلوم در ظالم سرایت می کند

زین سبب در خانۂ زنجیر دائم شیون است(صائب،س،۱۳۲)

ترجمہ: مظلوم کی نالہ وزاری ظالم کے وجود میں سرایت کر جاتی ہے، اسی وجہ سے تو قید خانے میں ہمیشہ آہ وفغاں ہوتی ہے۔

جب کہ آفرین اسی موضوع کو برق کے استعارے سے بیان کرتے ہیں:

ظالم از نالۂ مظلوم بہ فریاد آید

آفرین این ہمہ بی جا نبود شیون برق(آفرین،۳۷۳)

ترجمہ: مظلوم کی نالہ وزاری سے ظالم بھی فریاد کرتا ہے، آفرین، برق کا گریہ وزاری کرنا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہے۔

صائب کی طرح آفرین کو اس کیفیت کے اظہار کے لیے شیون سے بہتر لفظ میسر نہیں آیا۔

سلیمان وار اگر سازی ہوا را زیرِ دستِ خود

فلک چون حلقۂ خاتم بہ فرمانِ تو می گردد(صائب،س،۳۴۴)

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۱، مسلسل شمارہ ۳۶۳-۳۶۴، سال ۲۰۲۲ء

ترجمہ: اگر تم حضرت سلیمان کی طرح ہوا و ہوس کو اپنے تابع کر لوگے تو، آسمان انگوٹھی کے حلقے کی طرح تمھارے حکم کے مطابق گردش کرے گا۔

گر بتِ خود بشکنی محمود سلطان می شوی

گر ہوا را زیرِ خود سازی، سلیمان می شوی(آفرین،۵۳۳)

ترجمہ: اگر تم اپنی نفسانی خواہشات کے بتوں کو مسمار کر دوگے تو گویا تم سلطان محمود بن جاؤگے، اور اگر ہوا و ہوس کو اپنے تابع کروگے تو حضرت سلیمان کی طرح بن جاؤگے۔

بالکل واضح ہے کہ نشستِ الفاظ اور ادائے مطلب کا اسلوب جو صائب نے اپنایا ہے، اسی کی پیروی آفرین نے کی ہے۔

رزق ما تنگ ز اندیشۂ بی حاصل ما ست

نان کسی می خورد این جا کہ غمِ نان نخورد(صائب، س،۱۸۲۷)

ترجمہ: ہماری خام سوچ بچار ہی تنگیِ رزق کا باعث بنتی ہے، رزق وہی کھاتا ہے جسے اس کی فکر نہیں ہوتی ہے۔

بہ قدرِ جرم کم منصب کند سلطان، امیران را

بود تنگی رزقِ آدمی، از ناصوابِ خود(آفرین،۱۹۷)

ترجمہ: بادشاہ اپنے وزیروں کے مقام و مرتبے کو جرائم کی وجہ سے کم کرتا ہے، انسان کے رزق کی تنگی اس کے اپنے گناہوں ہی کے سبب سے ہے۔

چشم حق بین را نگردد کثرت از وحدت حجاب

نہ صدف را گوہرِ یک دانہ می یابیم ما(صائب، س،۴۷)

ترجمہ: حق بیں کی آنکھ وحدت سے کثرت کی طرف نہیں جاتی، نو سیپ بھی ہوں تو ہم انھیں گوہر یک دانہ ہی پاتے ہیں۔

کند آن را کہ غواصِ حقیقت آفرین عرفان

تواند ہر نفس زین نُہ صدف گوہر برون آرد(آفرین،۲۴۰)

ترجمہ: آفرین، جو شخص دریائے حقیقت کا غواص ہے، وہ ان نو سیپ سے ہر ہر لمحہ موتی باہر نکالتا ہے۔

دوستی با ناتوانان مایۂ روشن دلی ست

موم چون با رشتہ سازد، شمع محفل می شود(صائب،س،۲۶۷)

ترجمہ: کم زور لوگوں کے ساتھ دوستی تو روشن دلی کا سرمایہ ہے، جب موم دھاگے کے ساتھ مل جاتا ہے تو دونوں شمع محفل بن جاتے ہیں۔

ترکِ لذت کن صفای دل تماشا کردنی ست

موم دور از شہد چون شد، شمع محفل می شود(آفرین، ۲۶۹)

ترجمہ: لذتوں کو ترک کیجیے، دل کو صیقل کرنا تو دیکھنے کے لائق ہے، کیوں کہ جب موم شہد سے جدا ہوتا ہے تو شمعِ محفل بن جاتا ہے۔

ہر کہ صائب نفس سرکش را نسازد زیر دست

در حقیقت کم تر از زال است، اگر رستم بود(صائب،س،۴۲۶)

ترجمہ: صائب، جو شخص سرکش نفس کو اپنے تابع نہیں کرتا، اگرچہ رستم ہی کیوں نہ ہو لیکن حقیقت میں وہ زال سے بھی کم تر ہے۔

ز دوستانِ دغل آفرین چہ کار گشاید؟

اگرچہ رستمِ وقت است کمتر از زال است(آفرین، ۲۰۴)

ترجمہ: آفرین، حیلہ گر دوست کاموں کو کہاں سنوارتے ہیں، ایسے دوست تو زال سے بھی کم تر ہیں اگرچہ وہ رستمِ وقت ہی کیوں نہ ہوں۔

بر ضعیفان رحم کردن، رحم بر خود کردن است

وای بر شیری کہ آتش در نیستان افگند(صائب،س،۷۸۶)

ترجمہ: ضعیفوں اور کم زوروں پر رحم کرنا تو خود اپنی ذات پر رحم کرنا ہے، افسوس اس شیر پر جو سرکنڈوں کے جنگل میں آگ لگاتا ہے۔

رحم کن بر خویش تنہا دیدہ بر مسکین متاز

اشک و آہِ بی کسی فوج و لوایِ او بس است(آفرین، ۱۲۸)

ترجمہ: خود پر رحم کیجیے اور مسکینوں، کم زوروں پر ظلم نہ کیجیے، کیوں کہ ان کی آہیں اور آنسو ہی ان کی فوج اور جھنڈے ہوتے ہیں۔

فقر بی قدر کند سلطنتِ عالم را
ہوسِ ملک نباشد پسرِ ادھم را(صائب،س،۶۲)

ترجمہ: ادھم کے بیٹے کو سلطنت کی ہوس نہیں، کیوں کہ فقر دنیاوی سلطنتوں کو حقیر بنا دیتا ہے۔

بہ جز تجریدِ ظاہر فقر دارد معنی دیگر
نہ ہر کس ترکِ شاہی کرد، ابراہیم ادھم شد(آفرین،۱۹۳)

ترجمہ: ظاہری گوشہ گیری کے سوا، فقر کے معنی کچھ اور ہی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بادشاہت ترک کردے وہ ابراہیم ادھم ہی ہو۔

مغز چون کامل شود از پوست گردد بی نیاز
از دو عالم خاطرِ آزاد مردان فارغ است(صائب،س،۱۱۰)

ترجمہ: مغز پختہ ہو کر پوست سے بے نیاز ہو جاتا ہے، آزاد مردوں کے دل ودماغ دونوں جہانوں کے بکھیڑوں سے آسودہ ہیں۔

تجرد حجتِ قاطع بود صاحب کمالی را
قبای بیضہ برتن می درد مرغی کہ کامل شد(آفرین،۲۴۴)

ترجمہ: صاحبِ کمال کے لیے دنیوی علائق سے رمیدگی ایک ایسی دلیل ہے کہ جسے رد نہیں کیا جا سکتا، پرندہ مکمل بن جانے کے بعد ہی انڈے کی پوست چاک کرتا ہے۔

صائب ایک جگہ کہتے ہیں:

ہیچ نوشی نیست بی نیش ای پسر ہشیار باش
خوابِ شیرین پیشہ دارد در کمین بیدار باش(صائب،س،۸۳۱)

ترجمہ: اے بیٹے ہوشیار رہو کیوں کہ کوئی بھی خوشی غم کے بغیر نہیں ہے، اور بیدار رہو کہ جب تم میٹھی نیند سوتے ہو تو مچھر تمھاری ہی گھات میں ہوتا ہے۔

آفرین نے اس مضمون کو یوں باندھا:

بی نیش نوش کام ز شانِ فلک مجو
آمادہ شو بہ سنگ اگر سر کند ترا(آفرین،۱۵)

ترجمہ: آسمان سے کوئی بھی خوشی بغیر غم کے تلاش نہ کیجیے، اگر آپ کو سر بنایا جاتا ہے تو آپ پتھر کھانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

تصوف کا ایک نکتہ یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت ہی دوزخ کا ایندھن بنتی ہے اور اسے خوب دہکاتی ہے۔ دوزخ کی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہے۔ چناں چہ صائب کہتے ہیں:

بر تو دوزخ شدہ از کثرتِ عصیان آتش
ورنہ در چشم خلیل است گلستان آتش(صائب، س،۴۷۷)

ترجمہ: تمھارے کے لیے آگ گناہوں کی کثرت سے دوزخ بنتی ہے، ورنہ ابراہیم خلیل اللہ کے لیے تو آگ گلستان ہے۔

آفرین کے بہ قول:

خوب و زشتِ ما بہشت و دوزخِ ما بودہ است
کردۂ امروزِ ما، فردا در استقبالِ ماست(آفرین،۱۳۱)

ترجمہ: ہماری نیکی و بدی ہی ہماری جنت اور دوزخ ہے، ہمارا آج کا کیا دھرا کل ہمارے ہی آگے آئے گا۔

دونوں شعرا کے کلام میں عصری احساسات کی تسکین کی کامل اہلیت موجود ہے۔ معاشرے کی مختلف نفسیاتی رجحانات کی آئنہ داری موثر پیرائے میں بیان کی گئی ہے:

بلند نام نگردد کسی کہ در وطن است
ز نقش سادہ بود تا عقیق در یمن است(صائب، س،۱۲۹)

ترجمہ: جو شخص وطن میں رہتا ہے وہ بلند نام نہیں بنتا، عقیق جب تک یمن میں رہتا ہے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے۔

سفر صاحب ہنر را قیمت افزای شرف باشد
نگردد کس خریدارِ گہر تا در صدف باشد(آفرین،۲۷۱)

ترجمہ: سفر تو صاحبِ ہنر آدمی کی عزت و شرف کو بڑھاتا ہے، جب تک موتی سیپ میں رہتا ہے کوئی اس کا گاہک نہیں بنتا۔

ایک اور جگہ صائب اسی بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

وطن زندان شود بر ہر کہ گردد در ہنر کامل

کہ خون چون مشک شد آوارہ از نافِ ختن گردد (صائب، س، ۳۷۴)

ترجمہ: جو شخص ہنر میں درجہ کاملیت کو پہنچتا ہے وطن اس کے لیے قید خانہ بن جاتا ہے، خون مشک بن کر ہی ہرن کی ناف سے باہر آتا ہے۔

آفرین کہتے ہیں:

چون ز خم در شیشہ آید بادہ بزم آرا شود

در سفر کیفیتِ صاحب ہنر پیدا شود (آفرین، ۲۴۵)

ترجمہ: سفر ہی کی بدولت صاحبِ ہنر کی حالت و کیفیت بنتی ہے، جب شراب مٹکے سے پیمانے میں آتی ہے تو محفل کی زینت بن جاتی ہے۔

روح اگرچہ لطیف اور نورانی ہے، لیکن اگر نفسانی خواہشات کی ظلمتیں اس پر منعکس ہونے لگ جائیں تو یہ تاریک ہو جاتی ہے:

می شود تن ، روحِ تن پرور بہ اندک فرصتی

قطرۂ ناصاف آخر ، مہرۂ گل می شود (صائب، ق، ۱۳۲۰)

ترجمہ: بدن کو پالنے پوسنے والی روح بہت جلد جسم ہی بن جاتی ہے، ناپاک قطرہ آخرکار مٹی کا مہرہ ہی بنتا ہے۔

آفرین بھی مریدِ بامراد کی طرح اسی کی ترجمانی کرتے ہیں:

صاف درد آمیز ، حکم درد ، پیدا می کند

روح چون مغلوبِ نفس افتاد ، نفسانی شود (آفرین، ۲۱۵)

ترجمہ: وہ خالص شراب جس میں تلچھٹ کی آمیزش ہو جائے پھر وہ خالص نہیں کہلاتی، جب روح نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو جاتی ہے تو حیوانی بن جاتی ہے۔

صائب از ہند مجو عشرتِ اصفاہان را

فیضِ صبحِ وطن از شامِ غریبان مطلب(صائب،ق،۴۴۵)

ترجمہ: صائب، اصفہان کی عیش عشرت ہندوستان میں نہ ڈھونڈیے، غریب الوطنی کی شام سے صبحِ وطن کا فیضان نہ طلب کیجیے۔

مژده ای دل! ہوس آوارۂ زلفی شده ای

فیضِ صبحِ وطن از شامِ غریبان بردار(آفرین،۳۱۲)

ترجمہ: اے دل تمھارے لیے خوش خبری ہے کہ محبت اس کی زلفوں کی آوارہ بن گئی ہے، اب تم غریب الوطنی کی شام سے صبحِ وطن کا فیضان اٹھاؤ۔

صائب کے شعر کا دوسرا مصرع صرف ایک لفظ کی تبدیلی کر کے اپنے کلام کی زینت بنایا گیا ہے۔

ز چشم نرمی دشمن فریبِ عجز مخور

دلیر بر سرِ این آبِ زیر کاه مرو(صائب،س،۶۴۵)

ترجمہ: دشمن کی نرمی سے اس کے عجز کا دھوکا نہ کھایئے، ضرر رساں شخص کے پاس بے باک ہو کر نہ جایئے۔

بی صرفه بس که ریختہ ای آبرو به خاک

چون آبِ زیر کاه رو پا فرو به خاک(آفرین،۳۸۰)

ترجمہ: تم نے بے فائدہ ہی اپنی آبرو خاک میں ملائی ہے، جب آپ کسی ضرر رساں شخص کے پاس جاتے ہیں تو آپ کے پاؤں مٹی میں دھنس جاتے ہیں۔

صائب اور آفرین کی مشربی ہم آہنگی انھیں عشقِ مجاز سے عشقِ حقیقی کی طرف خیمہ زن ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔ دونوں مجاز کے بھی قدر دان ہیں لیکن ہمیشہ مجاز کی وادیوں میں سر گرداں رہنے کو پسندیدہ نہیں سمجھتے:

از حقیقت روی صائب در مجاز آورده ایم

ماه را دائم ز طشتِ آب می جوییم ما(صائب،ق،۱۴۹)

ترجمہ: صائب ہم نے اپنا چہرہ حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرا ہے، ہم ہمیشہ پانی ہی کے تھال میں چاند کو تلاش کرتے ہیں۔

بی حقیقت آفرین! نسزاست سودای مجاز

درسِ عشقش خوانده ام تکرار می باید مرا(آفرین،۶۱)

ترجمہ: آفرین، سودائے مجاز حقیقت کے بغیر کہاں زیب دیتا ہے، میں نے اس کے عشق کا سبق پڑھا ہے، مجھے اس کی تکرار کرنی چاہیے۔

دلیل عشقِ حقیقی ست، عشق ہای مجاز

بہ آفتاب رسد شبنم از نظارۂ گل(صائب،س،۵۲۴)

ترجمہ: عشقِ مجاز ہی عشقِ حقیقی کی دلیل ہے، شبنم نظارۂ گل ہی کی بہ دولت سورج تک پہنچتی ہے۔

گواہِ عشقِ حقیقی ست، عشق ہایِ مجاز

طپش ز ماہی دریا، دلیلِ تشنہ لبی ست(آفرین،۱۴۹)

ترجمہ: عشقِ مجاز ہی عشقِ حقیقی کا گواہ ہے، سمندر کی مچھلیوں کا تڑپنا ہی ان کی تشنہ لبی کی دلیل ہے۔

آفرین نے پہلے مصرعے میں ''دلیل'' کی جگہ ''گواہ'' کا لفظ استعمال کیا، باقی صائب ہی کے الفاظ سے اکتساب کیا گیا ہے۔

مجاز سے حقیقت یا کثرت سے وحدت کا سفر ایک ہی بات ہے:

کثرتِ خلق عینِ توحید است

خوشہ چندین ہزار و دانہ یکی است(صائب،س،۱۶۵)

ترجمہ: مخلوق کی کثرت تو عین توحید ہے، خوشے ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں جب کہ دانہ ایک ہی ہوتا ہے۔

آفرین بھی وحدت و کثرت کے معمے کو بیان کرنے کے لیے یہی مثال اقتباس کرتے ہیں:

ہنگامۂ کثرت ہمہ از وحدتِ ذات است

یک تخم بود، شاخ و گل و برگ و ثمر ہم(آفرین،۴۳۰)

ترجمہ: مخلوق کی کثرت وحدتِ ذات ہی کی بہ دولت ہے، یہ شاخیں، پھول، پتے اور پھل ایک بیج ہی سے تو ہیں۔

صائب اخلاقی موضوعات کو حکیمانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ کم زوروں، ضعیفوں کی مدد اور دل کو گردِ کدورت سے پاک رکھنے کا درس دیتے ہیں۔ قناعت ان کے خمیر میں راسخ ہے اور وہ ہوا و ہوس کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ اخلاقی موضوعات کو بھی رنگارنگ تشبیہوں سے سنوارتے ہیں۔ آفرین بھی تقریباً اُنھی کی بیان کردہ تشبیہات کو ان موضوعات میں لاکر پیرایۂ اظہار مؤثر بناتے ہیں۔ صائب کہتے ہیں:

تمنا از دلِ اہلِ ہوس بیرون نمی آید
کہ حرصِ شہد از جانِ مگس بیرون نمی آید (صائب، س، ۳۱۳)

ترجمہ: اہل ہوس کے دلوں سے خواہشات ختم نہیں ہوتیں، مکھی کی جان سے شہد کی حرص بھلا کب ختم ہوتی ہے۔

آفرین یوں بیان کرتے ہیں:

ہر قدرہا کہ برانند مگس باز آید
خجلت از ذلتِ دنیا نکشد نفس دنی (آفرین، ۵۴۳)

ترجمہ: مکھی کو جتنا بھی دھتکاریں وہ وہیں لوٹ کر آتی ہے، یہ سفلہ نفسِ امارہ دنیاوی ذلتوں سے ذرا شرم محسوس نہیں کرتا ہے۔

ز حرص باختہ آرام خلق و بی مزہ دہر
ہجوم کردہ مگس بر دکانِ نیشکری (آفرین، ۵۳۰)

ترجمہ: حرص نے زمانے کو بے مزہ اور مخلوق کا آرام ختم کر رکھا ہے، گویا مکھیوں نے نَے شکر کی دکان پر ہجوم کیا ہوا ہے۔

رحم کن با ناتوانان کز دہانِ شکوہ مور
می تواند رخنہ در ملکِ سلیمان افگند (صائب، ق، ۱۲۶۴)

ترجمہ: کم زوروں پر رحم کیجیے کیوں کہ چیونٹی کے شکوہ آمیز لبوں سے، ملکِ سلیمان میں فتنہ وفساد برپا کیا جاسکتا ہے۔

دہد فیضِ قناعت قوتِ دیگر ضعیفان را
کہ این جا مورِ بی پر با سلیمان می زند پہلو(آفرین،۵۰۰)

ترجمہ: یہاں تو حقیر چیونٹی حضرت سلیمان کے ساتھ برابر کا دعویٰ کرتی ہے، کم زوروں کو فیضانِ قناعت کچھ اور ہی قوت عطا کرتا ہے۔

تیرہ روزانِ جہان را بہ چراغی دریاب
تا پسِ مرگ ترا شمعِ مزاری باشد(صائب،ق،۱۸۶۱)

ترجمہ: سیاہ روز لوگوں کو چراغ عطا کیجیے، تاکہ دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ لوگ آپ کی شمعِ مزار بنیں۔

روی خندان چو گل و دست بلندی بہ سخا
در شبِ تارِ لحد شمع و چراغ است ترا(آفرین،۶۴)

ترجمہ: پھولوں کی طرح ہنستے مسکراتے رہیے اور بے حد سخاوت کیجیے، تاکہ قبر کی اندھیری رات میں یہ سب آپ کے لیے شمع اور چراغ بنیں۔

عالم تمام یک گلِ بی خار می شود
دل را اگر ز کینہ مصفا کند کسی(صائب،س،۶۷۸)

ترجمہ: اگر کوئی شخص اپنے دل کو کینہ سے پاک کرلے تو یہ سارا جہان اس کے لیے گلِ بے خار بن جائے گا۔

دل را ز گردِ کینہ بشو، ورنہ عاقبت
ہر گہ کند غبار، مکدر کند ترا(آفرین،۱۵)

ترجمہ: دل کو غبارِ کینہ سے دھویئے، ورنہ جب بھی گرد و غبار پیدا ہوگا تو وہ آپ کو رنجیدہ ہی کرے گا۔

ہمارے دونوں صوفی منش شاعر عقیدۂ جبر کے زیادہ قریب ہیں۔ اس جبر کے ہر گز قائل نہیں جس کے نتیجے میں بندۂ مومن کاہلی کا شکار ہو کر عمل سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بل کہ اس جبر سے مراد یہ ہے کہ جب انسان اتنی بڑی کائنات میں خدا کی قدرت اور اس کے لامتناہی اختیارات کو دیکھتا ہے تو اسے اپنے اختیارات ہی بے معنی نظر آتے ہیں اور وہ اتنی بڑی کائنات میں اپنا سہارا اسی کو بنالیتا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا، اور یوں تسلیم و رضا کی مجسم صورت بن کر اپنی جہد مسلسل جاری رکھتا ہے اور خدا کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، اسے جبرِ محمود کہتے ہیں۔

دل عبث چندین ز تقدیر الہی می طپد

می شود قلاب محکم تر چو ماہی می طپد(صائب،ق،۱۱۴۶)

ترجمہ: دل تقدیرِ الہیٰ سے بے فائدہ ہی اتنا زیادہ تڑپ رہا ہے، مچھلی کا تڑپنا ماہی گیروں کے کانٹے کو اور زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے۔

جز و کل در دامِ تقدیرِ الہی می طپد

ذرہ تا خورشید از مہ تا بہ ماہی می طپد(آفرین، ۲۰۰)

ترجمہ: جز و کل سبھی تقدیر الہیٰ کے جال میں تڑپ رہے ہیں، ذرے سے خورشید اور آسمان کی بلندیوں سے زمین کی تہ تک سبھی اس سے تڑپ رہے ہیں۔

آفرین نے ''تقدیر الہی می طپد'' صائب ہی سے مستعار لیا ہے، جب کہ دوسرے مصرعے میں لفظ ''ماہی'' کو مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

چون ماہی ضعیف کہ افتد در آبِ تند

در اختیارِ خویش مرا اختیار نیست(صائب،ق،۶۳۱)

ترجمہ: مجھے اپنے اختیار کے ہوتے ہوئے بھی کوئی اختیار نہیں ہے، بالکل اس کم زور مچھلی کی طرح جو پانی کے تند و تیز ریلے میں جا پھنستی ہے۔

بہ ہر صورت کہ باشم نیستم در اختیارِ خود

بہ رنگ مہرۂ موم است، دل در دستِ تقدیرم(آفرین،۴۵۱)

ترجمہ: میں کسی بھی صورت اپنے اختیار میں نہیں ہوں، میرا دل مہرۂ موم کی طرح دستِ تقدیر میں ہے۔

صائب و آفرین دونوں اس بات کے معتقد ہیں کہ خود بیں شخص خدا بیں نہیں ہو سکتا۔ اپنی ذات کی پہچان ہی کعبۂ مقصود ہے۔ اپنی حدود سے باہر قدم نہ رکھنا ہی سعادت مندی ہے، اور چکی کی طرح اپنی ذات کا طواف کرنا ہی مردِ عارف کا شیوہ ہے۔ صائب کے کلام میں ایسے موضوعات کی فراوانی ہے اور انھوں نے اس کے بیان میں لفظی و معنوی صنعت گری کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں۔ آفرین لاہوری بھی صائب تبریزی کے تتبع میں ان موضوعات پر قلم فرسائی کرتے ہیں۔ چناں چہ صائب کہتے ہیں:

پا منہ از حدِ خود بیرون سعادت مند باش

نیست کمتر از ہما، تا جغد در ویرانہ است(صائب،س،۱۳۳)

ترجمہ: سعادت مند بنیے اور اپنی حدود سے قدم باہر نہ رکھیے، الو ہما سے کم تر نہیں ہے جب تک کہ وہ ویرانے میں ہے۔

آفرین اسے یوں بیان کرتے ہیں:

قدم ز خانہ برون ماندن از سعادت نیست

ہمای وقتِ خودی تا در آشیانِ خودی(آفرین،۵۳۷)

ترجمہ: گھر سے باہر قدم رکھنا تو سعادت مندی نہیں ہے، آپ ہی وقت کے ہما ہیں، جب تک کہ آپ آشیانِ خودی میں ہیں۔

صائب گرد و پیش کی اشیا کے پیرائے میں معنی کی تفہیم کرتے ہیں، جو سننے والوں کے دلوں پر فوری اثر انداز ہوتی ہیں اور جس سے طبیعتیں لطف اٹھاتی ہیں۔ چکی کے کیسے کیسے دل کش مفاہم تراشے ہیں:

مشو فارغ ز گردیدن کہ روزی در قدم باشد

ہمین آواز می آید ، ز سنگِ آسیا بیرون(صائب،س،۸۵۵)

چکی کے پتھر سے یہی آواز آتی ہے کہ اپنا طواف کرتے رہیے، ایک دن منزل آپ کے قدموں تلے ہو گی۔

آفرین کہتے ہیں:

خود قبلۂ نصیب خودی، سعی ہرزہ چیست؟

بر گردِ خویش، طوافِ تو چون آسیا بس است(آفرین،۱۵۲)

ترجمہ: جب آپ خود ہی اپنے نصیب کا قبلہ ہیں تو پھر یہ مہمل کوششیں کیا ہیں؟ آپ کے لیے تو چکی کی طرح اپنے گرد طواف کرتے رہنا کافی ہے۔

ذیل میں دونوں شعرا کے خود شناسی کے موضوع پر اشعار، اور ان میں ایک جیسے استعاروں کا استعمال اور لفظی تراکیب بھی بالکل ایک جیسی ہیں۔ صائب کہتے ہیں:

منه آیینه به زانو چو زنان گر مردی

غنچه شو روی در آیینهٔ زانو بگذار(صائب،س،۴۴۲)

ترجمہ: اگر آپ مرد ہیں تو پھر عورتوں کی طرح اپنے زانوؤں پر تو آئینہ نہ رکھیے، غنچے کی طرح اپنا چہرہ آئینہ زانو پر رکھیے۔

آفرین بھی اسی اندازِ بیان سے اس موضوع کو یوں بیان کرتے ہیں:

سر به زانو ماندن صاحب دلان بی وجه نیست

خوانده باشی، دفترِ رازِ نهانِ غنچه را(آفرین،۵۹)

ترجمہ: صاحبِ دل لوگوں کا سر بہ زانو رہنا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہے، آپ نے غنچوں کے بھیدوں بھرے دفتر پڑھے ہی ہوں گے۔

هرچه از دل ها کنی تعمیر پشتی بانِ تست

سعی در آبادیِ دل کن ، چو معمارِ خودی(صائب،س،۶۸۲)

ترجمہ: خودی کے معماروں کی طرح دل کو آباد کرنے کی کوشش کیجیے، کیوں کہ دل سے تعمیر کی گئی ہر ہر چیز آپ کی محافظ و نگہبان بن جاتی ہے۔

سعی دل کن در صفا تا قبلهٔ عالم شوی

آب شو تا کعبهٔ تحقیق را زمزم شوی(آفرین،۵۳۲)

ترجمہ: صفائے دل کی کوشش کیجیے تا کہ آپ قبلۂ عالم بن جائیں، آپ گداختہ ہو کر ہی کعبۂ تحقیق کے زمزم بنیں گے۔

ترکِ عجب و کبر کن تا قبلهٔ عالم شوی

سیرتِ ابلیس را بگذار تا آدم شوی (صائب،ق،۳۲۸۱)

ترجمہ: غرور و تکبر کو ترک کیجیے تا کہ آپ قبلۂ عالم بن جائیں، آپ انسان کہلانے کے لائق تبھی بنیں گے جب ابلیس کی سیرت کو چھوڑ دیں گے۔

نسبتِ خاصی به صاحب خانه باید آفرین

این جهان وآن جهان از تست اگر آدم شوی(آفرین،۵۳۲)

ترجمہ: آفرین، صاحبِ خانہ کے ساتھ نسبتِ خاص کا ہونا ضروری ہے، اگر آپ صحیح معنوں میں انسان بن جائیں تو سارے جہان آپ ہی کے ہیں۔

صائب ز خود برآی کہ شرطِ طریقِ عشق
گامِ نخست از خودیِ خود گذشتن است(صائب،س،۱۲۶)

ترجمہ: صائب، مسلکِ عشق میں اپنے اندر سے طلوع ہونا تو شرطِ اولیں ہے، پہلا قدم اپنی ظاہری انا سے دست بردار ہونا ہے۔

ز نفی خویش شبنم آفتاب و قطرہ دریا شد
اگر از خود بر آیی آنچہ نتوان می توانی شد(آفرین،۲۰۳)

ترجمہ: اپنی ذات کی نفی ہی کی بہ دولت شبنم اور قطرہ سورج اور سمندر بن جاتے ہیں، اگر آپ اپنے اندر سے طلوع ہوں تو جو آپ نہیں بن سکتے وہی بن جائیں گے۔

برون آ از خودی تا دیدہ ات حق بین شود صائب
کہ خود بینی نگردد جمع ہرگز با خدا بینی(صائب،س،۱۲۷)

ترجمہ: صائب، خود بیں نہ بنیے تا کہ آپ حق بیں بن جائیں، کیوں کہ خود بینی ہرگز بھی خدا بینی کے ساتھ یک جا نہیں ہو سکتی۔

خدا بینی بود موقوف چشم از خویشتن بستن
نظر بر حق نباشد ہر کہ او بر خود نظر دارد(آفرین،۲۷۹)

ترجمہ: خدا بینی خود سے آنکھیں موند لینے پر ہی موقوف ہے، جو شخص اپنی ذات پر ہی نظریں گاڑے رکھتا ہے اس کی نظر حق پر نہیں ہوتی۔

کعبۂ مقصود را در نقطۂ دل یافتم
چون ز خود بیرون روم، اکنون کہ منزل یافتم(صائب،س،۵۳۸)

ترجمہ: میں نے اپنے دل ہی میں کعبۂ مقصود کو پالیا، جب میں نے منزل مراد کو پالیا تو بھلا خود سے باہر کیوں جاؤں۔

خود شناسی کعبۂ مقصود پیدا کردن است
یک طواف آخر بہ گردِ خود نگردیدن چرا؟(آفرین،۴۴)

ترجمہ: تم نے اپنے گرد ایک طواف بھی کیوں نہ کیا؟ خود شناسی تو کعبہ مقصود کو ظاہر کرنا ہے۔

آفرین لاہوری نے اپنے کلام میں مثالیہ کا عنصر صائب تبریزی کے تتبع میں کیا ہے۔ صنعت مثالیہ میں صائب نے جن موضوعات کو بیان کیا ان میں سے بیشتر موضوعات ہمیں آفرین کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ آفرین کی صائب کے ساتھ لفظی یگانگت کے ساتھ ساتھ اس کی تخلیقیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ موضوعات ایک سے ہیں لیکن اشعار میں دلائل مختلف انداز میں بیان ہیں۔ صائب کہتے ہیں:

دولتِ سنگ دلان زود بہ سر می آید

سیل از سینۂ کہسار بہ سرعت گذرد (صائب، ق، ۱۸۱۴)

ترجمہ: سنگ دل لوگوں کا مال و دولت جلد اپنے اختتام کو پہنچتا ہے، کیوں کہ سیلاب سینہ کہسار سے تیزی سے گزر جاتا ہے۔

جب کہ آفرین لکھتے ہیں:

زود می غلطد بہ خون چون سفلہ زر پیدا کند

تیغ بر خود می کشد، موری کہ پر پیدا کند (آفرین، ۲۳۹)

ترجمہ: پست فطرت آدمی مال و دولت حاصل کر کے بہت جلد خون میں لوٹ پوٹ ہوتا ہے، جس چیونٹی کو پر لگ جائیں، وہ گویا اپنے آپ پر ہی تلوار کھینچتی ہے۔

ناقص از تربیتِ چرخ نگردد کامل

بادۂ خام محال است بہ مینا برسد (صائب، س، ۲۵۵)

ترجمہ: ناقص آدمی ہرگز آسمان کی تربیت سے کامل نہیں بنتا، ناپختہ شراب کا صراحی تک پہنچنا ناممکن ہے۔

تا دلِ سختت نگردد نرم از فیض است دور

قابلِ صہبا نباشد، سنگ تا مینا نشد (آفرین، ۲۷۸)

ترجمہ: آپ فیضان باری تعالیٰ سے اس وقت تک دور ہیں جب تک کہ آپ کا سخت دل نرم نہ ہو جائے، پتھر جب تک صراحی نہیں بنتا وہ اس لائق نہیں ہوتا کہ اس میں شراب انڈیلی جائے۔

آدمی پیر چو شد حرص جوان می گردد

خواب در وقتِ سحرگاہ گران می گردد (صائب، ق، ۱۷۸۲)

ترجمہ: جب آدمی بوڑھا ہوتا ہے تو اس کی حرص جوان ہو جاتی ہے، نیند کا غلبہ صبح کے وقت زیادہ ہوتا ہے۔

از یکی صد شد بہ پیری خود پرستی ہایِ نفس
قامتِ خم گشتہ ما محراب پیدا کردہ ایم(آفرین،۴۲۶)

ترجمہ: بڑھاپے میں نفس امارہ کی خود پرستیاں سینکڑوں ہو جاتی ہیں، ہماری خمیدہ قامتی ہی نے تو محراب بنا رکھا ہے۔

لذتِ افطار در دنبال باشد روزہ را
صبح اگر بندد دری ، ایزد گشاید وقتِ شام(صائب،س،۵۴۸)

ترجمہ: افطار کی لذت روزے کے پس پردہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ صبح کے وقت یہ دروازہ بند کرتا ہے تو وقتِ شام اسے کھول دیتا ہے۔

در تیرہ روزی است نہان صبحِ عیدِ وصل
بختِ سیاہ نیست کم از شامِ روزہ دار(آفرین،۳۱۰)

ترجمہ: عیدِ وصل کی صبح سیاہ بختیوں ہی میں چھپی ہے، بختِ سیاہ روزہ دار کی شام سے کم نہیں ہے۔

ز آمیزش کجان نشود طبعِ راست کج
از اتصالِ حرف الف خم نمی شود(صائب،ق،۲۰۶۷)

ترجمہ: موزوں طبع شخص ناجنسوں کی صحبت سے خراب نہیں ہوتا، الف حروف کے ساتھ مل کر بھی ٹیڑھا نہیں ہوتا۔

صاف باطن را غمی از صحبتِ نا جنس نیست
صافیِ آیینہ دل از نفس زائل نشد(آفرین،۲۸۸)

ترجمہ: صاف باطن کو ناجنسوں کی صحبت کا غم نہیں ہے۔ آئینۂ دل کی پاکیزگی سانسوں سے زائل نہیں ہوتی ہے۔

آفرین نے کہیں کہیں صائب کی عادتِ تکرار و اعادہ کا تتبع بھی کیا ہے جو ان کا خاص اسلوب ہے اور صائب کے کلام میں ایسے اشعار کی تعداد اس قدر ہے کہ اگر ان کو یک جا کیا جائے تو ایسے اشعار کا ایک وسیع ذخیرہ سامنے آئے۔ الفاظ بھی ایک جیسے، موضوع بھی ایک ہی۔

خرد مشمر جرم را ہر چند باشد اندکی

کز بہشت آوارہ آدم از برای گندم است(صائب،س،۱۶۷)

ترجمہ: اگرچہ گناہ بہ ظاہر معمولی ہی کیوں نہ نظر آئیں انھیں چھوٹا نہ سمجھیے، حضرت آدم گندم کے چھوٹے سے دانے ہی کی وجہ سے بہشت سے باہر ہوئے۔

خرد مشمار گناہ را کہ گناہ ہست بزرگ

گندمی کرد ز فردوس برون آدم را(صائب،س،۶۲)

ترجمہ: گناہ تو ہوتے ہی بڑے ہیں انھیں ہرگز بھی چھوٹا نہ سمجھیے، حضرت آدم کو دانہ گندم ہی نے بہشت سے نکال باہر کیا۔

آفرین لاہوری کے یہ اشعار دیکھیے:

کار برعکس بود، صاف دلان آینہ اند

تیغ بر خویش کشد، ہر کہ شود با ما کج(آفرین،۱۷۴)

ترجمہ: صاف دل لوگ تو آئنہ ہیں ان کا معاملہ ہی برعکس ہوتا ہے، جو کوئی بھی ہمارے ساتھ الجھتا ہے وہ حقیقت میں خود پر ہی تلوار اٹھاتا ہے۔

راست می گویند صافی طینتان آینہ اند

تیغ بر خود می کشد، ہر کس کہ با ما کج شود(آفرین،۲۴۳)

ترجمہ: سچ کہتے ہیں کہ صافی دل لوگ آئنہ ہوتے ہیں، جو کوئی بھی ہمارے ساتھ الجھتا ہے وہ حقیقت میں خود پر ہی تلوار اٹھاتا ہے۔

آفرین کی صائب سے تاثیر پذیری ہمیں تضمین کی شکل میں بھی ملتی ہے۔ آفرین اپنے کلام میں کہیں صائب کا کوئی مصرع تضمین کرتے ہیں اور کہیں مکمل شعر۔ کلیاتِ آفرین کے حصۂ تضمین میں صائب کی چار غزلیات کی مکمل تضمین ہے۔ انھوں نے اپنے پیش رو کے جو مصرعے تضمین کیے، ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

گل افشان درودم آفرین بر مصرعِ صائب

"شکوہِ جبہہ شیران بود، لوحِ مزارش را"(آفرین،۷)

دل ہر کس کہ گردد خواب گاہِ عشق چون مجنون
شکوہ جبہۂ شیران بود، لوحِ مزارش را(صائب،س،۳۴)
تا قیامت خیزد از خاکِ مزارش آفرین
''ہر کہ صائب از تو نشنیدہ است گفتارِ ترا(آفرین،۲۶)
گردی از دور از نمکدانِ قیامت دیدہ ات
ہر کہ صائب از تو نشنیدہ است گفتارِ ترا(صائب،س،۵۱)
چہ مرشدانہ سخن گفت آفرین! صائب
''کہ عاقبت رگِ گردن کند گریبان سرخ''(آفرین،۱۸۵)
ز غوطہ یی کہ بہ خون زد خدنگ دانستم
کہ عاقبت رگِ گردن کند گریبان سرخ(صائب،س،۲۴۶)
کلامِ صائب از بس آفرین! سوز آشنا باشد
''بہ یک صحبت سمندر را کند بیگانۂ اخگر''(آفرین،۳۰۵)
بہ دو رویی کہ من زان آتشین رو دیدہ ام صائب
بہ یک صحبت سمندر را کند بیگانۂ اخگر(صائب،ق،۲۲۴۸)
ہمچنان سودایِ او دارد نہ تنہا، آفرین
''صائب بیدل بود، از جان خریدارش ہنوز''(آفرین،۳۱۹)
گوہرش ہر چند در گرد کسادی شد نہان
صائب بیدل بود از جان خریدارش ہنوز(صائب،ق،۲۳۰۲)
آن مردہ زندہ است کہ چون صائب آفرین
''ماند بہ یادگار نشانی ز دودِ دل''(آفرین،۳۹۱)
چون خامہ رہ نورد تو ہر جا کہ بگذرد

ماند بہ یادگار نشانی ز دودِ دل(صائب،س،۲۵۳۷)

آفرین ملتمسم مصرعِ صائب کافی ست

"پایم از دست شد ای خضر بیابان مددی"(آفرین،۵۵۱)

می گزد راحتم ای خارِ مغیلان مددی

پایم از دست شد ای خضر بیابان مددی(صائب،ق،۳۳۱۹)

آفرین پر صائب کا اثر ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ آفرین ان کے فکر و فن سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں۔ یقیناً صائب کا دیوان ان کے دائرۂ مطالعات میں شامل ہو گا۔ وہ اپنے کلام میں اساتذۂ فن کو بے حد عقیدت واحترام سے یاد کرتے ہیں اور اپنی سخن وری اور نادرہ گفتاری کو اہلِ سخن کا فیضان سمجھتے ہیں:

ز فیضِ اہلِ سخن آفرین سخن ور شد

طفیلِ خامہ شود حرف آشنا کاغذ(آفرین،۳۰۰)

ترجمہ: آفرین، اہلِ سخن کے فیضان ہی کی بہ دولت سخن ور بنا، کاغذ، قلم ہی کے وسیلے سے حروف آشنا بنتا ہے۔

شعرا کا ایک دوسرے سے اکتساب کرنا، یقیناً ان کے فکر و فن کو سراہنے کے مترادف ہے۔ صائب تبریزی کے نزدیک وہ شخص ہر گز سخن داں نہیں ہو سکتا جو اہلِ سخن کی باتوں کو حرزِ جاں نہ بنائے:

تو کہ ہر گز سخنِ اہلِ سخن نشنیدی

چون سخن ساز و سخن فہم و سخن دان شدہ ای(صائب،س، ٦٦٥)

ترجمہ: بھلا آپ کیسے سخن ساز، سخن فہم اور سخن داں بنے بیٹھے ہیں، آپ نے تو کبھی کسی اہلِ سخن کی کوئی بات تک نہیں سنی۔

آفرین ساتویں صدی ہجری کے عظیم صوفی شاعر اور فلسفی جلال الدین محمد بلخی رومی کی مشہور **مثنوی مولوی** کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ افسوس کہ اس مثنوی کی جو تفہیم آفرین کی زباں سے ہوئی وہ محفوظ نہ رہی، لیکن رومی کے بڑے پیرو صائب تبریزی کے فکر کی جو شرح آفرین کے قلم نے کی وہ **کلیاتِ آفرین** کی صورت میں زندہ جاوید ہے۔ بلاشبہ آفرین، صائب جیسے عظیم شاعر کے ایک بڑے شارح ہیں۔

منم از گلشنِ ہند آفرین رنگین نوا بلبل
اگر شد صائب شیریں کلام از اصفہان پیدا(آفرین، ۴۷)

ترجمہ: اگر صائب شیریں کلام اصفہان میں پیدا ہوا، تو آفرین، گلشنِ ہند کا رنگین نوا بلبل ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) میرزا محمد طاہر نصر آبادی، تذکرۂ نصر آبادی، بہ تصحیح وحید دستگردی، (تہران: کتاب فروشی فروغی، ۱۳۶۱ش)،۲۱۷۔

(۲) احمد تمیم داری، عرفان وادب در عصرِ صفوی، بخشِ دوم، (تہران: انتشاراتِ حکمت، ۱۳۷۳ش)،۵۳۶۔

(۳) حسین قلی خان عظیم آبادی،نشترِ عشق، جلد سوم بہ تصحیح ومقدمہ اصغر جانفزا،(نشریات دانش ۱۹۸۳م)، ۸۸۳۔

(۴) مرزا محمد علی صائب تبریزی،کلیاتِ صائب تبریزی بامقدمۂ محمد عباسی،(تہران: نشر طلوع، ۱۳۶۱ش)،۷۔

(۵) محمد قہرمان،مجموعۂ رنگین گل،(تہران: انتشارات سخن،۱۳۷۰ش)۸۔

(۶) محمد رسول دریاگشت، دورانِ حیات صائب تبریزی، صائب وسبک ہندی، (تہران: گسترۂ تحقیقات ادبی، نشر قطرہ، ۱۳۷۱ش)،۶۲۱۔

(۷) میر غلام علی آزاد بلگرامی، خزانہ عامرہ،(کانپور: ۱۱۷۶ق)۔

(۸) عبدالحکیم حاکم لاہوری مردم دیدہ، بہ کوشش سید عبداللہ (لاہور: ۱۹۷۲ء)۔

(۹) سراج الدین علی خان آرزو، مجمع النفایس، بہ کوشش عابد رضا بیدار،(پٹنہ: ۱۹۹۲ء)۔

(۱۰) عبدالغنی، تاریخِ ادبیات مسلمانانِ پاك و ہند"فارسی شعرا"، لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۲ء)

(۱۱) سیروس شمیسا، دیوان صائب تبریزی، (انتشارات مستوفی، انتشارات بہزاد)

(۱۲) فقیر اللہ آفرین لاہوری، بہ اہتمام غلام ربانی عزیز، کلیاتِ آفرین لاہوری، (لاہور: انتشارات پنجابی ادبی اکادمی)۔

(۱۳) صائب تبریزی، دیوانِ صائب تبریزی، (ایران: شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، جلد اوّل، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، ۱۳۷۱۔۱۳۷۳۔۱۳۷۴۔۱۳۷۵۔۱۳۷۶)

❖❖❖